ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

بانو قدسیہ کے دو نمائندہ نسوانی کردار

ڈاکٹر صوبیہ سلیم
اسسٹنٹ پروفیسر
نمل۔اسلام آباد

Abstract

Raja Gidh has been one of its kind in Urdu Novel so is its characters .Seemi and Amtul is not only connected to the existentialism theme of the novel but present their own intricate personalities.Article writer try to enfold the complex psychology of these characters which determine their action and reaction to events and the thought process they go through due to the circumstances.its the analytic approach which help us to dig deep the layers of the seemi's apparent spoiled brat impression and Amtul's ordinary looks.this articles bring a new dimension to the study of femiist approach of Urdu Novel.

Keywords: Bano Qudsia.Urdu Novel. Seemi.Amtul. Existentialism .Feminism.Women Psychology.

کلیدی الفاظ: بانو قدسیہ۔اُردو ناول۔دجودی نسوانی کردار۔نسوانیت۔سیمی۔امتل۔نفسیات۔تجزیاتی مطالعہ

راجا گدھ اپنی نوعیت کا ایک اہم اور منفرد ناول ہے۔اس کے کردار نہ صرف ناول کو وجودی موضوع سے لگا کھاتے ہیں بلکہ ان وجوہات اور اثرات کو بھی سامنے لاتے ہیں جو ان کے کردار پر عملی اثرات نمودار کرتے ہیں۔مقالہ نگار نے ان کے نفسیاتی اور وجودی پہلوؤں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے جو انسانی،وجودی اور بلخصوص نسوانی نفسیات کی پر تیں دریافت کرنے میں معاون ثابت ہو گا

'راجا گدھ' بانو قدسیہ کا دوسرا ناول ہے جس کو اپنے موضوع کے باعث بہت شہرت ملی۔ممتاز احمد خان نے اس کو ایک نظریاتی مینڈیٹ کا ناول قرار دیا ہے(1) بلراج منیر اس کو اُردو ناول کی تاریخ میں ایک روحانی واردات کہتے ہیں(2)۔اس ناول کا اسلوب اور موضوع جہاں انفرادیت لیے ہوئے ہے وہاں اس کے کرداروں کو بھی نقادوں نے وجودی کردار قرار دیا ہے جو انفرادی بحران کا شکار ہیں۔اپنی ذات کی الجھنوں میں گم، اپنے ہونے کا جواز تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔بنیادی قصہ قیوم کا ہے جو قصے کا راوی بھی ہے۔اس کی زندگی میں آنے والی عورتیں اس ناول کے کلیدی نسوانی کردار ہیں۔ان کرداروں میں دو قابلِ ذکر ہیں ایک سیمی اور دوسری امتل۔

سیمی گلبرگی معاشرے کی پیداوار ہے، جس کا حلیہ، طرزِ زندگی ، ادا اور خود اعتمادی سب کچھ اس کے سماجی مرتبے اور حیثیت کا عطا کردہ ہے۔ نفسیات اور تاریخ میں بی۔اے کرنے کے بعد علم الانسان میں ایم۔اے کرنے کے لیے کالج میں آتی ہے۔اپنے تمام ہم جماعت لڑکے لڑکیوں میں وہ انفرادیت کی حامل ہے۔اس کا سماجی اور تعلیمی پس منظر اور اس کی اپنی ذات سب مل کر اُسے دوسروں سے ممتاز بناتے ہیں۔دوسروں سے بحث کرنا، اختلافِ رائے کو اپنا حق سمجھنا، مل کر کھانا، ہر ایک کو اپنا سمجھنا اور کسی کے بھی قریب نہ ہونا،اس کی ذات کے اہم پہلو ہیں اس پر اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اخلاقی پستی یا سیاست کا شکار نہیں۔بہت سے متضاد رجحانات، رویے مل کر سیمی شاہ کا روپ دھارتے ہیں اس کے باوجود کچھ بھی غیر فطری معلوم نہیں ہوتا۔ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کچھ نہ ہوتا تو سیمی شاہ کا کردار ایسا بن نہیں سکتا تھا۔خود اعتماد، مغرب پرست، فیشن ایبل لڑکی جس کی ہر لڑکے سے بھی ویسی ہی دوستی ہے جیسی کہ لڑکیوں سے، جو خوشبو میں نہائی، مغربی ملبوس میں لپٹی، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی، جس کی گفتگو مغربی ادب اور نظریات کے حوالوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی ،خالصتاً انگریزی لہجے میں بات کرتی ہے۔اس کے کردار کی انفرادیت ہر ایک کے لیے دلچسپی، حسد یا رشک کا باعث ہے۔وہ آفتاب کے قریب ہو جاتی ہے۔آفتاب، جو اسی کالج کا ایک نمایاں طالب علم ہے، خود اعتماد اور بھرپور شخصیت کا مالک آفتاب، بھاٹی گیٹ کی بوٹی، روایتی کشمیری خاندان کا چشم و چراغ جس کی دنیا، تربیت اور ماحول سیمی کی زندگی کے بالکل برعکس ہے۔دونوں پہلے ہی روز ایک دوسرے کے قریب نظر آجاتے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

اور بقول قیوم سیمی تو پہلے ہی روز سے آفتاب کی ہپ پاکٹ میں تھی۔بظاہر ان دونوں کا ملنا اور پھر اس قربت کا عشق میں بدلنا عجیب لگتا ہے کیونکہ سیمی جیسی لڑکیوں سے عشق اور پھر ایسے روایتی عشق کی اُمید رکھنا اچنبھا لگتا ہے۔اپنی دوسری کلاس فیلوز کے مقابلے میں اس سے کبھی بھی امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ایسا عشق کرنے کے بارے میں سوچ بھی سکتی ہے اس لیے تو قیوم کہتا ہے ”صرف سیمی جلتا کوئلہ تھی ---بھڑکتا سرخ----بھلا اس پر میں کیسے شبہ کرتا کہ اندر ہی اندر جل بجھا ہے۔‘‘(3)

کالج کی زندگی میں، کلاس روم کے اندر سیمی کا رویہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس سے زیادہ آسودہ، مطمئن اور خوش کوئی نہیں، جسے دنیا میں کسی بات کی پروا نہیں۔اُس کے حساس ہونے کے بارے میں کوئی سوچ نہیں سکتا کہ وہ کسی بات کی پروا نہیں کرتی۔بچوں کی طرح ضد اور لاڈ اٹھانا، پین مانگ کر لکھنا، اپنا سیب سب کے ساتھ شئیر کرنا، ایسی حرکات سے لگتا ہے کہ ایک امیر گھرانے کی امیچور لڑکی ہے جس کے پاس اپنے تعلیمی اور سماجی پس منظر کے باعث ادبی اور علمی نظریات کا ایک خزانہ ہے جس کی بنیاد پر لوگوں سے نظریاتی ٹکر لینا اس کا حق ہے۔اس کے رویے کو لوگ اس کے خاندانی، تعلیمی پس منظر پر محمول کرتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے بحث کرنے اور قہقہے لگانے والے، خود کو آسودہ حال ظاہر کرنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک جو واقعی خوش ہوتے ہیں اور جنہیں خود پر اعتماد ہوتا ہے اور دوسرے وہ جو حقیقی خوشی کو ترستے ہیں ، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اونچے اور جاندار قہقہے لگا کر خوشی کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔دوسروں سے الجھتے ہیں اور نظریاتی بحث میں دوسروں کوپچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ خود کو جیت کا، اپنے ہونے کا اعتماد دلا سکیں، خود اپنا اعتماد جیتنے کے جتن۔۔۔سیمی بھی ایسی ہی ایک لڑکی ہے جس کے پاس نہ سچی خوشی ہے نہ ذات کا حقیقی اعتماد، نہ گھر کا سکون ہے نہ گھریلو زندگی کا پیار۔اعلیٰ طبقے کی معاشی زندگی میں بہت سے ایسے عناصر ہیں جو حساس ذہن کے لوگوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتے ہیں۔سیمی بھی ایسی ہی حساس لڑکی تھی جس کے گھر میں سمجھوتہ کرنے والی ماں، مصروف اور عیاش باپ ہے۔جہاں اخلاقی اور سماجی قدریں مختلف رنگ میں نظر آتی ہیں۔وہ ان روایات کے دوہرے معیار اور ماں کی خاموشی کو سمجھ نہیں‌پاتی ،اس کا باپ ایک دولتمند مگر کرپٹ آدمی ہے ،وہ سیمی کی عمر کی لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا ہے ،ماں خود کو جوان بنانے میں مصروف ہے تاکہ ان جوان لڑکیوں کا مقابلہ کر سکے جو اس کے شوہر کی نظروں میں جچتی ہیں،اس کے ماں باپ محض اس کی وجہ سے مفاہمت کی زندگی گزار رہے ہیں جو سیمی کے حساس دل کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں،وہ اس ماحول سے فرار چاہتی ہیجہاں رشتوں سے وابستہ روایتی محبت کی چاشنی نہیں،ایک مصنوعی پن ہے ،جہاں ماں کی شفقت اور باپ کے پیار پر جوان اولا د سے ڈرنے کا عنصر غالب ہے ،وہ اپنے والدین کے اس رویے کو ناپسند کرتی ہے اس لیے ہوسٹل میں رہنے کو ترجیح دیتی ہے ،وہ کہتی ہے ’گھروں میں کچھ جھوٹا سچا دبدبا ہونا چاہیے۔۔جھوٹا سچا پیار۔۔ورنہ ہوسٹل بہتر ہے۔‘(4)

ایسے میں ایک لڑکی جو گھر سے آزاد، پیار کی ترسی، حساس اور مغرب زدہ ہو آفتاب جیسے لڑکے کے قریب ہو جائے جسے عشق ہو جائے۔عشق بھی ایسا جس کا اس کے ماحول اور علاقے میں کوئی رواج نہیں تھا۔جب سیمی ایک انہونے عشق کا شکار ہوتی ہے تو وہ اس میں پور پور ڈوب جاتی ہے۔جس طرح وہ اس اچانک ایک نئے جذبے کو جاننے سے قاصر ہے بالکل اسی طرح جان نہیں پاتی کہ اچانک آفتاب نے اُسے چھوڑ کر اپنی بچپن کی منگیتر کو اس پر کیوں ترجیح دی۔آفتاب اپنی اس مختصر محبت کے بعد اپنے اصل کی جانب لوٹ جاتا ہے اور اپنے خاندان کی لڑکی سے شادی کر لیتا ہے۔ایم۔اے کا خیال چھوڑ کر اپنا خاندانی قالینوں کا کاروبار سنبھال لیتا ہے۔اس کے ماحول میں سیمی کے لیے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی۔اس کے آئندہ شب روز میں اس کا کوئی گزر نہیں ہوتا۔آفتاب راستہ بدلتا ہے تو سیمی جو آفتاب سے ملنے سے پہلے تنہائی کا شکار تھی،اس کے جانے کے بعد مزید تنہا ہوجاتی ہے۔ایک بار پھر قنوطیت اور گھٹن کا شکار ہو جاتی ہے۔عشق کا یہ تجربہ، اس کے قلب و ذہن کی بے اطمینانی کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔اس سے قبل اس کے پاس وقت گزارنے اور ذہنی و قلبی احساسات کے اظہار کے کچھ اور ذرائع تھے مگر یہ ناکام عشق اسے ہر تعلق سے بے نیاز کر دیتا ہے۔اس کی ذات آفتاب کو مرکز مان کر اسی کے مدار میں گھومنے لگتی ہے۔اس کے شب وروز اس سوچ میں گزرتے ہیں کہ اس کا عشق ناکام کیوں رہا؟ آفتاب نے اس سے محبت کی یا نہیں؟ اگر کی تو چھوڑ کیوں دیا؟ اگر چھوڑ دیا تو کیا وہ بے وفا تھا یا وہ اب بھی اس سے پیار کرتا ہے؟ وہ اپنا تجزیہ کرتے کرتے فلسفی بن جاتی ہے۔عام دنیا سے اس کا رابطہ محض جسمانی ضروریات تک محدود ہو جاتا ہے اور ذہنی طور پر اس کی زندگی اس ایک نکتے سے آگے نہیں‌بڑھتی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

اللہ جانے وہ مجھ سے محبت کرنے میں زیادہ مجبور تھا کہ کزن کے ساتھ شادی کروانے میں۔۔اب تو یہ باتیں میں اس قدر سوچ چکی ہوں کہ اگر مجھے جواب بھی مل جائے تو میں عادتاً یہی کچھ سوچتی رہوں گی باقی ساری عمر۔۔۔(5)

اس کی خاطر میں نے ایم چھوڑا۔گھر چھوڑا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔میرا دل مانے بھی۔۔دل مانتا ہے تو مر جانے کو جی چاہتا ہے۔۔آفتاب چلا گیا اب کچھ ہو تھوڑا سکتاہے۔(6)

سیمی کا عشق کئی مرحلوں سے گزرتا ہے ،پہلا مرحلہ آفتاب کی رفاقت، دوسرا مرحلہ اس کی جدائی ، تیسرا مرحلہ اس کی جدائی کا جواز تلاش کرنا اور جب وہ کوئی جواز تلاش نہیں کر پاتی تو اس جذبے میں رہنا شروع کر دیتی ہے اس مرحلے پر اس کے ذہن پر الہامی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔یہ بات عجیب لگتی ہے کہ آپ دوسرے کے بارے میں بن دیکھے جان سکیں، اس کے قلب و دل کا حال معلوم کر سکیں مگر سیمی جو اپنی محبت کی ناکامی، آفتاب کے رویے کا جواز تلاش نہیں کر پاتی، اپنے عشق کے زور میں وہ اس کے شب و روز، اس کے احساسات کو محسوس کرنے لگتی ہے۔شاید وہ دن رات اسی کے بارے میں سوچتی ہے ،اس لیے کبھی کبھی اس کا ذہن اس کا اپنا قالب چھوڑ کر آفتاب میں‌حلول کر جاتا اور وہ محسوس کرتی تھی کہ وہ آفتاب کے دل کا حال، اس پر بیتنے والی گھڑیوں سے واقف ہے ،یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کا سرا تلاش کرنامشکل ہے کیونکہ وہ تمام جذبات اور پیشگوئیاں بعد میں درست ثابت ہوتی ہیں۔اس ایک الہامی کیفیت کے ساتھ سیمی کا عشق ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتا ہے جہاں وہ خود اذیتی اور لذت پرستی کا شکار ہو جاتی ہے۔وہ آفتاب سے متعلق ہر وہ بات سوچتی ہے جو اس کو تکلیف دیتی ہے۔اس کا سیمی کو رد کرنا، کرن کو ترجیح دینا، اس کا نکاح، اس کا حقیقی ازدواجی رشتہ، ایک ساتھ رہنا، ہر وہ چیز جس کا سیمی نے خواب دیکھا مگر اب وہ زیبا کی دسترس میں ہے۔کبھی وہ کہتی ہے

بیوی۔۔آفتاب کی بیوی۔۔کیسا عجیب لگتا ہے کہ۔۔کہ کوئی اور آفتاب کی بیوی ہو۔۔زیبا آفتاب۔۔زیبا آفتاب۔(7)

کبھی وہ اس خیال سے خود کو اذیت دیتی ہے

وہ دونوں۔۔ایک ڈبل بیڈ پر ہیں۔وہ میرا آفتاب۔میرا اُسے چوم رہا ہے زیبا کو۔۔تم نہیں سمجھ سکتے قیوم۔۔یہ تصورات مجھے ختم کر دیں گے۔(8)

دراصل سیمی جیسے لوگ محبت میں کسی سمجھوتے کے قائل نہیں ہوتے۔وہ خود کو خالی خولی باتوں کے جال میں الجھانا نہیں چاہتی۔وہ خود کو کسی ادھورے رشتے، چند حاصل شدہ لمحوں کے سہارے زندگی گزارنے پر راضی نہ پاتی۔جب قیوم اُس کی تشفی کے لیے اس کو اس بات پر قائل کرنا چاہتا ہے کہ وہ آفتاب کی محبت حاصل کر چکی ہے اور اب جسمانی طور پر دوری سے محبت ختم نہیں ہوئی یا کسی کے ساتھ محبوب کو بانٹ لینے سے محبت کی روح مجروح نہیں ہوتی، زیبا سے آفتاب کی شادی محض ایک سماجی مجبوری تھی ورنہ اس کا بے وفائی سے کوئی تعلق نہیں ،یہ سب وہ باتیں ہیں جو وہ سیمی کو اس کی ذہنی کیفیت سے نکالنے کے لیے کرتا ہے مگر وہ ایسی کسی بات کے لیے خود کو راضی نہیں کرپاتی۔وہ انتوں کے جواب میں کہتی ہے

ٹکڑے ٹکڑے انسان سے کسی کی سیری نہیں ہوتی۔اگر میری شادی ہوجاتی تو کیا میں برداشت کر لیتی کہ دل میں وہ کسی اور کی پرستش کرتا رہے اور جسمانی طور پر میرا رہے ـ---- کبھی گاڑی آدھے یا پونے پہیے پر بھی چلی ہے؟آدمی پورا مل جائے تو خلا نہیں بھرتا تم آدھے پونے کی بات کرتے رہے ہو۔(9)

دراصل سیمی ایک ذہین لڑکی ہے جس کے پاس دلیل بھی ہے اور جواز بھی،وہ کسی بودی بات پر مطمئین نہیں ہو سکتی،وہ کسی ایسی بات کو تسلیم نہیں کر سکتی جو اس کا ذہن یا دل قبول نہ کرئے ،جس میں وزن نہ ہو۔وہ اپنے عشق میں جن منزلوں‌سے گزر رہی ہے ،وہ ان کیفیات کو جس طرح محسوس کر رہی ہے ،وہ کیسے محض باتوں کے ڈھکوسلوں سے بہل جائے۔جو لوگ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں ،وہ اس کی تمام منازل کو بخوبی جانتے ہیں،وہ دل سے سوچتے ہیں اور دل کی آواز سنتے ہیں،اسی لیے تو وہ کہتی ہے

محبت پانے والا کبھی اس بات پر تو مطمئن نہیں ہو جاتا کہ اُسے ایک دن کے لیے مکمل طور پر ایک شخص کی محبت حاصل ہوئی تھی۔محبت تو قیوم ہر دن کے ساتھ اعادہ چاہتی ہے۔جب تک اس تصویر میں رنگ نہ بھرو تصویر فیڈ لگتی ہے۔۔روز سورج نہ چڑھے تو دن نہیں ہوتا۔اس طرح جس روز محبت کا آفتاب طلوع نہ ہو رات رہتی ہے۔(10)

سیمی کے لیے صرف آفتاب کی چند روزہ محبت کافی نہیں، وہ اس کا محض اعادہ بھی نہیں چاہتی۔وہ فقط دائمی رفاقت پر بھی تیار نہیں۔وہ ایک پکے، حقیقی سماجی رشتے کا تعین بھی چاہتی ہے کیونکہ وہ سماجی طور پر کسی حقیقی رشتے کی خوبصورتی سے محروم ہے۔اس کی محرومی اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اسے ایک ایسے رشتے میں باندھے کہ جس کو سماجی طور پر عزت اور وقار حاصل ہو۔آفتاب کی بیوی کی حیثیت سے وہ معاشرے میں باعزت کہلائے گی۔بیوی بن کر وہ اس کے ساتھ عمر بھر کا ساتھ حاصل کرے گی اور ہر روز وہ اپنی محبت کا نہ صرف اعادہ کرے گی بلکہ اس رشتے کو مضبوط بھی کر سکے گی۔گویا وہ ایک ایسی چھاؤں ہو گا جس کے تلے وہ اپنی زندگی کو آسودہ اور مطمئن طریقے پر بسر کر سکے گی جس کا خواب یا جس کی خواہش اس کے لاشعور میں ہے۔اس کی وجہ وہ گھریلو ماحول ہے جس میں اس نے پرورش پائی،دراصل وہ اس ماحول کا حصہ نہیں بننا چاہتی،جس کو اس نے کبھی قبول نہیں کیا،وہ اس طرح کا رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتی ،جیسے کہ اس کے طبقے میں مرد اور عورت کے درمیان عام ہے مگرجسے معاشرے میں کوئی وقعت حاصل نہیں۔

کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ درحقیقت اس کو آفتاب کی محبت کے چھن جانے کا یا اس کی جدائی سے زیادہ اس خواب کے ٹوٹنے کا دکھ ہے جو اس نے پہلی بار دیکھا۔خواب کے بکھرتے ہی وہ خود بھی کرچی کرچی ہو تی ہے اور ان کرچیوں میں سوائے آفتاب کے وہ کسی اور کا چہرہ دیکھنے سے عاری ہے، یہی وجہ ہے کہ قیوم جو اس کا ہم جماعت ہے اس کے عشق میں اسی طرح گرفتار ہے جس طرح سیمی آفتاب کے۔مگر سیمی اس کی دسترس سے بالکل اسی طرح باہر ہے جس طرح آفتاب سیمی کی دسترس سے۔گویا دونوں کا غم ایک ہے اور قیوم آفتاب کی جگہ خالی پاتے ہی خود کو پیش کرتا ہے۔آفتاب کی جگہ لینے کی کوشش میں وہ اس کا آلہ بن جاتا ہے۔ایک ایسا سہارا جو سیمی کے اندر کے غبار کو باہر نکال سکتا ہے، وہ اس کے لیے آکسیجن کا کام کرتا ہے ،تازگی کے احساس کو جگا کر اس کے اندر بڑھنے والی گھٹن کو کم کرتا ہے، دونوں ایک دوسرے کی مجبوری بن جاتے ہیں۔قیوم آفتاب کی سیڑھی لگا کر اس تک رسائی حاصل کرتا ہے اور سیمی اس کے ساتھ دل کی باتیں، آفتاب کی باتیں کر کے اپنے دل کو اور بوجھل کرتی ہے تاکہ آفتاب سے دور نہ ہو سکے۔یہی نہیں قیوم اس کو اس قابل بھی نہیں بناتا کہ وہ زندگی کے بوجھ کو برداشت کر کے اپنے شب و روز تمام کر سکے بلکہ اس تعلق کی بنا پر زندگی اور معاشرے سے قائم اپنے برائے نام تعلق کو بھی نبھا سکے۔قیوم سے باتیں کر کے وہ کبھی کبھی کچھ اور سوچنے کے قابل بھی ہوتی ہے۔اپنے فیصلوں پر پچھتا کر پڑھائی چھوڑنے کا غم کر سکتی ہے، گھر جانے کے بارے میں سوچ سکتی ہے مگر یہ سب کچھ محض سوچ کی حد تک ہے اس سے آگے بڑھ کر وہ زندگی کا سرا دوبارہ سے تھام نہیں سکتی۔

آفتاب کو مرکز مان کر دن رات کرتے کرتے وہ قیوم کی محبت کے جواب میں اس سے ہمدردی کرتی ہے۔اُس کی احسان مند ہوتی ہے آفتاب کی بے وفائی کا خود کو یقین دلا کر اپنی ٹوٹی ہوئی زندگی کو پھر سے جوڑنا چاہتی ہے۔قیوم کی طرف قدم بڑھاتی ہے مگر 'محبت' دوبارہ محبت کرنا اس کے اختیار میں نہیں۔وہ ایک بار زخمی اور شکست خوردہ ہونے کے بعد کبھی خود کواس قابل نہیں بناپاتی کہ دوبارہ سے محبت کے میدان میں اُتر سکے۔

سنو!۔۔قیوم میرے دوست اگر میں تم سے محبت کر سکتی تو ضرور کرتی۔آفتاب سے محبت میرا شعوری فعل نہیں ہے۔یہ نہ چاہتے ہوئے بھی چلی جاتی ہے۔۔آرزو کی طرح خود بخود۔آپی آپ اگر میری شعوری کوشش سے کچھ ہو سکتا تو میں تم سے ضرور محبت کرتی۔بھلا بتاؤ کیا میں نے تم سے محبت کرنے کی کوشش نہیں کی؟۔۔کی ہے خدا قسم۔۔لیکن یہ بدبخت نہیں ہوتی۔۔نہیں ہوتی۔(11)

قیوم اس کے ساتھ جسمانی تعلق بھی قائم کر لیتا ہے۔مگر سیمی گویا اس تعلق سے بے نیاز ہے۔وہ ذہنی طور پر آفتاب کی محبت میں اس قدر گرفتار ہے کہ اب اس کو جیسے اپنے ارد گرد کا ہوش ہے نہ پروا، اُسی طرح وہ اپنے جسم سے بھی بے نیاز ہے۔ایسے تعلقات میں عورت کی بے نیازی کی دو وجوہات ہوتی ہیں یا تو اپنی حرمت اور عزت کو بازار میں لٹوا کر خود کو یقین دلاناچاہتی ہے کہ وہ اسی قابل ہے کیونکہ اگر وہ اچھی ہوتی تو اس کا محبوب اس کو کیوں چھوڑتا اور دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب عورت اپنے سوال کا جواب نہیں تلاش کر سکتی، خود کو رد کرنے کا غم برداشت نہیں کر پاتی تو خود سے انتقام واحد شے ہے جو اس کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔سیمی انہی دو کیفیات سے گزرتی ہے،قیوم کے ساتھ جسمانی تعلق ابتدا میں بے نیازی کے ساتھ شروع ہوتا ہے، اس وقت اس کے لیے اس بات کے کوئی معنی نہ تھے کہ آفتاب کے بعد وہ اپنے جسم کا کیا کرے، اگر زندگی کا کچھ نہیں کر سکتی تو بدن بچا کر کیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

کرے گی۔ مگر آہستہ آہستہ وہ بغیر کسی جسمانی، قلبی خواہش کے قیوم کے ساتھ اس تعلق کو قبول کر لیتی ہے۔بار بار کے اس جنسی عمل سے وہ خود کو رسوا کرتی ہے، اپنے رد کیے جانے کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔خود کو بے حرمت کر کے تسکین حاصل کرتی ہے ،

سیمی جسمانی طور پر خود کو مردہ تصور کرتی ہے ،وہ خود کو زندوں میں شمار نہیں کرتی ،وہ زندگی سے منہ موڑ لیتی ہے،وہ سانسوں کے پورا کرنے کو زندگی نہیں سمجھتی،اسے حقیقی معنوں میں تو آفتاب کے وجود نے ہی زندگی سے ہمکنار کیا ہے ،اس لیے وہ اس کے جانے کے بعد بھی خود کو اس کے عشق کی حرارت سے زندہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے مگر ناکام ہو جاتی ہے۔اسی لیے وہ مرنے سے پہلے قیوم سے کہتی ہے۔

مرنے کی گھڑی تو اب آئی قیوم۔۔اب۔۔لیکن آفتاب کے جانے کے بعد تو سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ہر اُمنگ ہر خوشی۔۔اصل میں تو میں اس کے نکاح والے دن مر گئی تھی۔۔غلطی تمہاری تھی تم نے ایک مردہ لڑکی سے رابطہ کیا۔۔میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا۔(12)

قیوم اور سیمی ایک دوسرے کے قریب ہو کر جان گئے کہ درحقیقت یہ عارضی سہارا ،یہ وقتی قربت انہیں محبت کے رشتے میں نہیں جکڑ سکتی۔ قیوم خواہ کچھ بھی کر گزرے اور سیمی خواہ کتنی بھی کوشش کرے ان کے درمیان محبوب اور محبوبہ کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔سیمی اپنی حالت سے یوں بھی بے نیاز رہتی، بیماری اور نقاہت کے باعث وہ زندگی سے اور بھی دور ہو جاتی ہے۔آفتاب کی شادی اور اس کی جدائی کے بعد وہ جس کرب سے دوچار ہوتی ہے ، اس سے وہ پھر کبھی باہر نہیں نکل پاتی اور اپنی زندگی کے ختم ہونے کا انتظار اس سے برداشت نہیں ہوتا۔اس کو لگتا ہے کہ وقت کم ہو ہورہا ہے اس لیے وہ عملی طور پر بھی زندگی سے اپنا رشتہ

نہیں جوڑ پاتی۔اس کی ذات کا مرکز محض آفتاب کی ذات ہے اور وہ مرنے سے پہلے اس کی جانب سے کسی خبر کی منتظر ہے ،شاید یہی خیال اسے مرنے نہیں دیتا'میں تو صرف مارکٹائم کر رہی ہوں۔صرف مارک ٹائم۔۔شاید موت سے پہلے آفتاب کا خط ہی آ جائے'(13)

سیمی کے ذہن میں موت سے پہلے بھی عجیب کشمکش ہے ایک طرف وہ خود کو اس لیے جینے پر مجبور کرتی ہے کہ شاید آفتاب اس کی طرف پلٹ کر آئے گا تو دوسری طرف اس کی زخمی انا تقاضا کرتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم آفتاب کبھی یہ نہ جان پائے کہ سیمی اس کے عشق میں جان گنوا نے جا رہی ہے بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اس کی مجروح انا اور خود داری کا جھوٹا بھرم قائم رہے کہ وہ طبعی موت مری ہے۔وہ چاہتی ہے کہ اس کی موت کی وجہ آفتاب کی بے وفائی نہ ہو بلکہ محض یرقان ہو۔

میں۔۔چاہتی ہوں کہ آفتاب بدل جائے۔۔خوش رہے اور مجھے بھول جائے اور میں چاہتی ہوں وہ مجھے کبھی نہ بھولے۔جیسے میں چاہتی ہوں اس کا خط کبھی نہ آئے اور پھر ہر روز میں اس کے خط کا انتظار کرتی ہوں۔یہ بھی بہت بڑا عذاب ہے جو میں نے کاٹا ہے۔۴۰

سیمی خود اپنی ذات میں ایک المیہ ہے۔اس کی بے بسی کی انتہا ہے کہ زندگی پر، خود پر، اس کا اپنا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا تو وہ موت کی چادر کو چپکے سے اوڑھ لیتی ہے شاید وہ انتظار کا عذاب مزید نہیں کاٹ سکتی، نہ آفتاب کے پلٹنے کا، نہ زندگی کے خود ختم ہونے کا، اور سیمی شاہ کے بارے میں سراج منیر کے لفظوں میں بات یوں ختم کی جا سکتی ہے کہ

بھگتی یوک یا سلوک بالعشق میں ہمیں اس کی مثالیں مل جائیں گی جب بھگت جسم سے روح کی طرف عروج کرتے ہیں اور پھر روح سے جسم کی طرف نزول کر کے اپنی معرفت کی تکمیل کرتے ہیں۔سیمی شاہ سلوک بالعشق میں فناء الفنا کی بہت بڑی مثال ہے۔(14)

راجا گدھ کا تیسرا اہم کردار امتل ہے جس سے قیوم کی ملاقات ریڈیو سٹیشن پر ہوتی ہے۔امتل العزیز، اپنی چال، اطوار اور باتوں سے ایک مڈل کلاس طوائف ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ایک ڈھلتی عمر کی طوائف جو کسی زمانے میں ایک اچھی گائیکہ تھی مگر اب اپنا وقت پورا کر چکی ہے اور ریڈیو سٹیشن پر دھکے کھا کر محض وقت گزاری کر رہی ہے۔وہ اپنی عمر اپنا وقت گزار آئی ہے اس لیے گھر میں، ریڈیو سٹیشن پر اور معاشرے میں اس کے وجود کا کوئی جواز باقی نہیں۔امتل جو بظاہر ایک روایتی طوائف لگتی ہے، اس روایتی طوائف کے اندر کی عورت بہت مختلف ہے۔اس کے دل میں طوائف کی تہمت کا احساس بہت زیادہ ہے۔ معاشرے میں وقعت اور حیثیت کا نہ ہونا اس کو دکھ دیتا ہے۔'عزت' اس کی کمزوری ہے۔عزت بنانا خواہ وہ جھوٹی کیوں نہ ہو، اس کو مرغوب ہے ،عزت کے نام پر جہاں وہ بچگانہ سی حرکتیں کرتی نظر آتی ہے وہیں وہ چاہتی ہے کہ معاشرے میں سر اٹھا کر جی سکے مگر وہ یہ بھی جانتی ہے کہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

ایسا ہو نہیں سکتااس لیے وہ ہر جگہ ہر وقت خود کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کبھی اپنے ماضی کے عروج کا حوالہ دیتی ہے تو کبھی کارگو اور ایئر پورٹ پرفون کر کے اپنے اس سامان کے متعلق پوچھتی ہے جس کا وجود ہی نہیں۔وہ جاننے والوں پر جھوٹی شان و شوکت کا رعب جما کر اپنی کھوکھلی خواہش اور انا کی تسلی چاہتی ہے۔اپنی ان حرکات کے جواب میں وہ کہتی ہے'جن کے پاس عزت نہیں ہوتی وہ ساری عمر اسے ہی بنانے میں گنوا دیتے ہیں'۔(15)

وہ اپنی حیثیت کو قبول کرتی ہے وہ اپنی جڑوں سے دور ہونے کی کوشش نہیں کرتی۔وہ بے حس ہو کر، خود غرض ہو کر نہیں رہ سکتی اس لیے وہ اپنے آبائی پیشے سے وابستہ ہے۔اپنوں کو چھوڑ کر جانے والوں کو اچھا بھی نہیں سمجھتی۔شاید ایک بار کی ٹھوکر کے بعد اس نے اپنی حیثیت کو قبول کر لیا ہے اور چاہتی ہے کہ دوسری عورتیں بھی ایسا کریں اور جھوٹے سچے خوابوں سے نکل آئیں۔وہ اپنا آپ چھپائے بغیر عزت حاصل کرنا چاہتی ہے۔وہ جانتی ہے کہ معاشرے میں انھیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔بازار کی تہمت کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔اس لیے اپنے جیسیوں کے ہاتھوں وہ ذلت برداشت نہیں کر پاتی، لوگوں کو آئینہ دکھانے سے گریز نہیں کرتی۔وہ معاشرے کی کالک کو تو برداشت کر سکتی ہے مگر وہ ان لوگوں کے طنز برداشت نہیں کر سکتی جو اپنا ماضی بھول کر باعزت بننے کی کوشش کرتے ہیں اور جب اس کی بازاری ساتھی عورتیں اس کی تذلیل کرتی ہیں تو وہ انھیں ،ان کا ماضی یاد دلاتی ہے ،وہ کہتی ہے

اپنا بھی دل ہے۔ہم بھی انسان ہیں۔ہم سے شریف لوگ نفرت کرتے ہیں تو ہم برداشت کر لیتے ہیں لیکن ہم میں سے جب یہ لوگ اُٹھ کر جاتی ہیں اور پھر ہم کو ذلیل سمجھتی ہیں تو ہم سے برداشت نہیں ہوتا۔سفیدی کروا کر کوے سے کبوتر بن جائیں اور پھر کوؤں سے نفرت کریں۔سبحان اللہ۔۔۔ہم تو پھر اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ انہیں یاد دلائیں کہ وہ بھی کوے تھے۔(16)

اپنی ہم جنسوں سے اس کا رویہ اس لیے بھی تلخ ہے کہ اس کی زندگی کی بہت سی محرومیاں اور کمیاں انھی کی عطا کردہ ہیں۔اسے معاشرے میں عزت نہ ملی کیونکہ وہ ایک طوائف زادی ہے مگر اپنی اس حیثیت میں بھی اگر اس کو بقا کی جنگ لڑنی پڑی تو حریف اس کے جیسی ہی تھیں جنھوں نے ہمیشہ اس کی راہ کھوٹی کی۔

امتل کا مزاج کئی رنگ بدلتا ہے۔وہ ہر جگہ ایک مختلف رنگ میں نظر آتی ہے۔اس کے لیے ہر دن نیا اور ہر ملاقات پہلی ہے۔گزرے ہوئے دن کا حوالہ اس کی آنکھوں میں کبھی نہیں ملتا کیونکہ وہ کہتی ہے:"پرانے وقتوں کو یاد نہیں کرتے سر جی۔۔۔نئے دنوں میں گھن لگ جاتا ہے۔"(17)

وہ ماضی کے سہارے جینے پر نہ اصرار کرتی ہے نہ اس کی قائل ہے وہ ہر وقت اور ہر حال میں مست نظر آتی ہے۔ماضی کی باتوں کا ذکر یوں کرتی ہے کہ لگتا ہے کہ نہ تو کھونے کا پچھتاوا ہے نہ پانے کی خوشی۔بس جو ہے آج ہے اس لیے وہ بہت Impulsive ہے۔جب, جہاں, جیسا محسوس کرتی ہے کر گزرتی ہے۔خوش ہے تو سب کچھ نچھاور کر دے گی۔لڑنے پر آئے گی تو اگلا پچھلا حساب برابر کر دے گی۔دل چاہتا ہے تو گالی دیتی ہے، دل چاہتا ہے تو گلے لگا لیتی ہے۔وہ بس لمحہ موجود سے خود کو نکالنا نہیں چاہتی کہ گزرے لمحے دل کو بہت دکھاتے ہیں اور ان بیتے دنوں کا دکھ اس قدر ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں اور یاد کرنے پر ان سے ٹیسیں اٹھتی ہیں، اس لیے امتل خود کو حال میں مگن اور سرشار رکھتی ہے تاکہ بیتے دنوں کے غموں سے فرار حاصل کر سکے۔حال اس کو ان دکھوں سے پناہ فراہم کرتا ہے۔وہ نہ ماضی کو دہراتی ہے نہ کسی فلسفے کے پیچھے سر کھپاتی ہے۔وہ لوگوں کو سمجھتی ہے، اس نے انسانوں کو برتا ہے مگر وہ فکر و فلسفے کو زندگی میں جگہ دینے کی قائل نہیں کہ زندگی کی گرہ اور بھی الجھ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اعصاب پر بھروسا کرتی ہے اگر خوش ہے تو خوشی کا اظہار کرتی ہے، ناراض ہے تو گالیاں بک لیتی ہے مگر وہ اپنے آپ کو مشکل میں نہیں ڈالتی۔شاید وہ خود میں اتنا حوصلہ نہیں پاتی کہ ماضی کی کھرنڈ اور حال کے زخموں کے ساتھ فکروں کو بھی اپنی زندگی میں جگہ دے اور زندگی بسر کرنا مشکل ہو جائے کہ بقول اس کے''آنا صرف مرنے کے لیے ہے۔۔۔زندہ رہنا تو ٹائم پاس کرنے کے لیے ہوتا ہے۔" (18)

امتل نے عشق کا سودا بھی کیا اور عزت کا بھی۔نہ اس کو عشق ملا نہ عزت۔اس نے عشق کیا تو اس نے ساتھ نبھانے کی قسم کھانے سے پہلے ہی راستہ بدل دیا اور دوبارہ کوٹھے پر آ بیٹھی، جب عزت کا سودا کرنے کے لیے کوٹھے کو چھوڑ کر گھر بسایا تو شوہر نے اپنی شان بڑھانے کے لیے اس کو گر ہستی کی چکی میں یوں پیسا کہ اس نے واپسی کی راہ لی کیونکہ جس عزت کے لے اس نے کوٹھا چھوڑا وہ اسے حاصل نہ ہوئی۔اس کا شوہر اس سے محبت کرتا،مگر چاہتا کہ اس کے بدلے میں اس کی واہ واہ ہو کہ اس کی وجہ سے ایک بدکردار طوائف تائب ہوئی۔گھریلو زندگی کے تلخ و ترش کو سہہ کر خود کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

گرہستن ثابت کرنا امتل منظور کر لیتی اگر اس کا شوہر اس سے زیادہ خود اپنی ستائش کا شائق نہ ہوتا یا کوٹھے والی کا لیبل اتارنے میں زیادہ دلچسپی لیتا۔ابنارمل بچے کی پیدائش نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔وہ ایک بٹے ہوئے، اعتماد سے عاری شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی اور واپس آجاتی ہے۔

ایسا پیار جی جیسی بودی رسی ہوتی ہے۔زور سے کچھ باندھو تو تڑک کر ٹوٹ جاتی ہے۔ایسا پیار جس کا یقین سب کو دلاتے پھریں اور خود اپنے جی کو کبھی یقین نہ آئے ایسا پیار سر جی جیسے ٹھنڈی چائے۔(19)

امتل کو اپنے حرام رزق پر پلنے کا بہت غم ہے وہ اپنی موجودہ حالت کا،معاشرے میں اپنی کمتر حیثیت و مرتبے سے متعلق تلخ حقیقت کا سامنا کرتی ہے تو امید کا کوئی بھی در اس پر وا نہیں ہوتا۔اپنے نہ بسنے کا، بیٹے کے ابنارمل ہونے کا، زندگی کے برے چلن کا جواز محض حرام رزق ہی کو قرار دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب قیوم اسے شادی کی پیشکش کرتا ہے تو وہ محض اس بنا پر انکار کر دیتی ہے کہ وہ حرام رزق پر پلی ہے اس لیے وہ کوئی حلال زادہ پیدا نہیں کر سکے گی۔وہ کہتی ہے

سر جی دونوں سر جی؟۔۔ہم دونوں ؟میرے جسم کا تو۔۔۔ہر قطرہ حرام پر پلا ہے سر جی۔میں اس لہو سے اب کوئی حلال زادہ پیدا نہیں کر سکتی۔۔۔۔میں ۔۔۔میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔(20)

امتل المیہ ہے،ایک ایسی عورت کا جس کو زندگی میں اپنی حیثیت کے انتخاب کا موقع نہ ملا۔جس کو نہ عزت ملی نہ پیار۔ماضی سے دامن چھڑاتی رہی مگر دل کا ایک حصہ ماضی میں پڑا رہا جس میں کبھی پھانس اس کا دل دکھاتی رہی اور وہ اس درد سے دامن چھڑانے کے لیے بھاگتی رہی۔اور زندگی کی آخری خواہش یہی تھی کہ 'زندگی تو کسی پیار کرنے والے کے سہارے گزری نہیں۔اب موت تو کسی پیارے کے ہاتھوں آئے۔موت تو حلال ہو میری۔' (21) حرام رزق پر پلنے والی جو اپنی زندگی کو حرام قرار دیتی تھی ،اپنی موت کے حلال ہونے کی دعا کرنے والی اپنے مخبوط الحواس بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو کر پہلی مرتبہ با مراد ہوجاتی ہے۔یہ المیہ اس عورت کا ہے جس کو حرام رزق کھانے کا مژدہ سنایا گیا ،اس کے لیے اس معاشرے میں حلال رزق کی کوئی صورت نہیں۔وہ معاشرے کی گدھ جاتی کا حصہ ہے جو اس لیے مردار کھاتی ہے تا کہ مردہ اخلاق والوں کے تعفن سے مہذب دنیا کو محفوظ کر سکیں۔

حوالہ جات:

1۔ ممتاز احمد خان، اُردو ناول کے بدلتے تناظر، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ ، ص ۲۵۸
2۔ سراج منیر، کہانی کے رنگ، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۱، ص۸۰
3۔ بانو قدسیہ، راجا گدھ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع سیز دہم،۱۹۹۸ ، ص ۴۵
4۔ ایضاً، ص ۶۰
5۔ ایضاً، ص ۶۹
6۔ ایضاً، ص۱۲۹
7۔ ایضاً، ص۱۲۴
8۔ ایضاً ص۱۵۲
9۔ ایضاً، ص۱۳۲
10۔ ایضاً، ص۱۲۷
11۔ ایضاً، ص ۱۳۰
12۔ ایضاً، ص ۲۳۰
13۔ ایضاً، ص ۲۱۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 5 No.3 2021

14۔ ایضاً ص ۲۳۳

15۔ سراج منیر، کہانی کے رنگ، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۱، ص ۸۲

16۔ بانو قدسیہ، راجا گدھ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، طبع سیز دہم،۱۹۹۸، ص ۴۱۰

17۔ ایضاً، ص ۴۰۸

18۔ ایضاً، ص ۴۱۸

19۔ ایضاً، ص ۴۵۰

20 ایضاً، ص ۴۳۰

21۔ ایضاً، ص ۴۵۰